بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اشارات

مغربی تہذیب کے بطن سے جو مہلک عوارض نمودار ہوئے ہیں ان میں جھوٹے پروپیگنڈے کا عارضہ اخلاقی اعتبار سے بڑا تباہ کن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مکر و فریب، دروغ گوئی، نفاق، عیاری اور ریاکاری جیسی اخلاقی بیماریاں انسانیت کو شروع ہی سے نقصانات پہنچاتی چلی آئی ہیں مگر دورِ جدید کا کمال یہ ہے کہ اس میں ان امراض نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی ہے اور جو شخص ان میں گرفتار ہوتا ہے وہ ندامت محسوس کرنے کے بجائے اپنی اس فنی مہارت پر اتراتا اور فخر کرتا ہے اور جو لوگ ان اخلاقی عوارض سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں مریض سمجھ کر ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آج اگر کوئی فرد یا گروہ اپنے ضمیر کی آواز پر کسی قول یا فعل یا موقف کی تائید یا مخالفت میں یا کسی اصول کی بنا پر صعوبتیں برداشت کرتا ہے، یا بعض دنیوی فوائد سے محروم ہونا گوارا کرتا ہے تو لوگ اسے دیوانہ خیال کرتے ہیں درآنحالیکہ وہی درحقیقت فرزانہ ہے اور جو لوگ چند روزہ زندگی اور اس کے لذائذ کی خاطر اپنے ضمیر اور ایمان کا سودا کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں وہ پاگل اور دیوانے ہیں کیونکہ دیوانہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے اپنے سود و زیاں کا احساس نہ ہو اور اس سے بڑا دیوانہ اور کون ہو سکتا ہے جو دنیا کے چند روزہ فوائد کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ کرنے پر تیار ہو جائے۔

برا ہو جھوٹے پراپیگنڈے کے خوفناک مرض کا کہ اس نے نہ صرف لوگوں کے اخلاقی احساسات کو برباد کیا ہے بلکہ انہیں فریبِ نفس جیسے مہلک مرض میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے جس سے ان کے شفایاب ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ایک انسان اپنی صحت کی بحالی کے لیے اس وقت فکرمند ہوتا ہے جب اسے یہ احساس ہو کہ اسے کوئی عارضہ لاحق ہے۔ لیکن جب کسی انسان کو کوئی ایسا روگ لگ جائے جو اس کے شعور و احساس

کو اس طرح بدل دے کہ علالت اسے تندرستی اور صحت اسے بیماری نظر آنے لگے تو پھر وہ مریض کس طرح صحت مند ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مغرب کے جھوٹے پراپیگنڈے کی قوت نے لوگوں کے فکر و نگاہ کے زاویوں کو اس طرح تبدیل کیا ہے کہ حق و صداقت انہیں عیوب اور مکر و فریب انہیں ہنر دکھائی دیتے ہیں۔ جو چیز فی الحقیقت محمود ہے وہ انہیں مذموم نظر آتی ہے اور جو افعال مذموم ہیں انہیں وہ محمود سمجھتے ہیں۔ افکار و نظریات کے اس ہمہ گیر تغیر سے دنیا کا پورا نظامِ اخلاق درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس اخلاقی انتشار کے اندر کوئی روحانی قدر اپنی اصلی جگہ پر قائم نہیں رہی۔ باطل افکار کا طوفان ساری اخلاقی اقدار کو اپنے ساتھ بہاتا چلا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دورِ حاضر کا انسانی معاشرہ اخلاقی اعتبار سے کسی خوفناک ویرانہ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔

مکر و فریب کی اس عملداری کے سینکڑوں بھیانک مناظر زندگی کے ہر شعبے میں بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں جن سے انسان کے اندر یہ اندوہناک احساس پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں اغلباً نیکی، شرافت، خدا پرستی اور صداقت شعاری کے سارے چشمے سوکھ چکے ہیں اور نوعِ انسانی کی عظیم اکثریت اس صفحۂ ہستی پر صرف اس لیے موجود ہے کہ انسانیت کے عیار شکاری اس پر جس طرح چاہیں مشقِ ناز کرتے رہیں۔ آپ دنیا کے سیاستدانوں اور ان کے دلفریب نعروں اور پھر ان نعروں کے پس پردہ ہونے والے ہولناک مظالم پر غور کریں تو انسانیت کی مظلومیت دیکھ کر آپ کا کلیجہ شق ہونے لگے گا۔ وہ لوگ جن کے ہاتھ میں اس وقت دنیا کی زمامِ کار ہے ان کی زبانوں پر یوں تو ہر وقت امن اور سلامتی کا پیغام جاری رہتا ہے۔ وہ بڑے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ بقائے باہمی کے اصول کا پرچار کرتے ہیں اور مظلوم اور ستم زدہ انسانیت کی فلاح کے لیے بڑے جاذبِ نظر منصوبے سامنے لاتے ہیں لیکن دنیائے عمل میں دکھی انسانیت کے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا جاتا ہے وہ خوش کن نعروں، دعووں اور منصوبوں کی عین ضد ہوتا ہے۔ امن اور آشتی کے فدائی اور بقائے باہمی کے علمبردار ہمیشہ اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ یہ دھرتی ہر لمحہ آگ کی لپیٹ میں رہے اور انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن کر اس درندگی کا مظاہرہ کریں کہ جسے دیکھ کر درندوں کی آنکھیں بھی شرم کے مارے جھک جائیں۔ کمزور قوموں کی آزادی سلب ہو، ان کے ذرائع کا بے محابا استحصال کیا جائے، ان کی نوخیز نسلیں فکری اعتبار سے مفلوج اور اخلاقی لحاظ سے تباہ ہوں اور ان کی وحدت اس انداز سے پارہ پارہ ہو کر رہ جائے کہ قیامت تک پھر ان اقوام کی شیرازہ بندی ممکن نہ ہو۔ آپ دنیا کی طاقتور قوموں کے سربراہوں اور ان کے مشیروں کی کارگزاریوں کا جائزہ لیں تو آپ پر ان لوگوں کی انسانیت دشمنی

کی حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔ امریکہ اور رُوس جس قسم کی شاطرانہ چالیں چل کر کمزور قوموں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے اور پھر اس ٹکراؤ کے بعد ثالث کی حیثیت سے ان کے درمیان عداوت کے جو مستقل بیج بوتے ہیں اس سے کون ناواقف ہے۔ ان بڑی طاقتوں کی عیاریوں اور زبردست آزاریوں کی وجہ سے یہ دُنیا جہنم کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ اگر یہ طاقتیں اپنے دعووں میں کچھ بھی مخلص ہوتیں اور انہیں اپنے اقوال کا کچھ بھی پاس ہوتا تو انسانیت اس عذاب سے محفوظ رہتی جس میں کہ وہ اپنے آپ کو گرفتار پاتی ہے۔ عرب ممالک کے عین دل میں صہیونی ریاست کا خنجر جس سفاکی کے ساتھ اور عدل و انصاف کے سارے تقاضوں کو نظر انداز کر کے پیوست کیا گیا ہے وہ ان بالادست قوموں کے مجرم ضمیر کی شہادت فراہم کرتا ہے پھر اس خنجر کو یہ قومیں جس درندگی کے ساتھ دنیائے اسلام کے جسد میں گھاؤ کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ اس کے علاوہ سرخ و سفید سامراج دونوں مل کر پاکستان اور دوسری مسلم ریاستوں کے اسلامی رنگ کو بگاڑنے اور انہیں معاشی اور سیاسی اعتبار سے برباد کرنے کے لیے جو شاطرانہ چالیں چل رہے ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان دونوں سامراجی قوتوں میں بظاہر کھچاؤ نظر آتا ہے جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد شدید کشمکش کی صورت بھی اختیار کرتا رہتا ہے لیکن اپنے سارے اختلافات کے باوجود یہ قوتیں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو توڑنے میں ایک دوسرے سے بالکل متفق و متحد ہیں۔ اگر امریکہ بہادر کی تائید اور حمایت سے اسرائیل عرب ممالک پر حملہ کرتا ہے تو روس خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتا ہے اور چند بیانات جاری کرنے کے علاوہ اور کوئی قدم نہیں اُٹھاتا بلکہ جنگ کے خاتمے پر اُسے جب اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ اسرائیل افرادی قوت کے اعتبار سے عربوں کے مقابلے میں کمزور رہے تو وہ اپنے ملک کی آبادی کو اسرائیل کی طرف منتقل کرتا ہے تاکہ اس کی اس کمزوری کو دُور کیا جاسکے۔

دُنیا کے ان "وڈیروں" کے ہاتھوں پاکستان کو جو شدید نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں اُن کی داستان بڑی دلفگار ہے۔ جس وقت ہندوستان کے مسلمانوں نے مذہب کی اساس پر ایک خطۂ ارض کا مطالبہ کیا تو اسے کسی دیوانے کا خواب سمجھ کر پہلے تو ہدفِ تضحیک بنایا گیا۔ مگر جب اس مطالبہ نے زور پکڑا اور انگریز اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوا تو پھر اس امر کی کوششیں کی گئیں کہ یہ ملک جس پاکیزہ مقصد کی تکمیل کے لیے قائم ہوا وہ کسی طور پورا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس کے لیے پہلے تو یہ التزام کیا گیا کہ اس ملک کو افراتفری

کے عالم میں چھوڑا جائے تاکہ یہ قوم اس امر کا فیصلہ نہ کر پائے کہ اسے نئی اسلامی مملکت کی عنانِ اقتدار کن لوگوں کو سونپنی ہے اور اسے کس سمت میں آگے بڑھنا ہے۔ جن لوگوں نے تقسیمِ ملک کا رُوح فرسا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس وقت حالات کس قدر پُرآشوب تھے۔ جگہ جگہ معصوم اور بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جا رہا تھا۔ انسان نما درندے عورتوں کی عصمتیں لُوٹ رہے تھے اور لاکھوں افراد بڑی کس مپرسی کی حالت میں اپنے گھر اور کاروبار چھوڑ کر پاکستان کی طرف منتقل ہو رہے تھے۔ شدید اضطراب کی اس اندوہناک فضا میں عوام اس بات کے آرزومند تھے کہ کسی طرح انہیں سکون میسّر ہو۔ اس موقعے کو غنیمت جان کر مغربی تہذیبؔ تمدّن اور مغربی اقدارِ حیات کے دلدادہ طبقے نے جو اس ملک کی انتظامیہ پر بھی قابض تھا، اپنی گرفت مضبوط کر لی اور ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔ اُس نے جس فرد اور گروہ کو چاہا تختِ اقتدار پر براجمان کیا اور جس کو چاہا اُس سے محروم کر دیا۔ یہ "بادشاہ گر" طبقہ جس کی عظیم اکثریت کو اس ملک کے فرنگی آقاؤں نے اپنے رنگ میں پوری طرح رنگ رکھا تھا، پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے میں سخت مزاحم ہوا۔ دوسری طرف مسلم عوام کے لیے یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی کہ جس دین کی عملداری کے لیے یہ ملک قائم ہوا ہے اور جس کے قیام کی خاطر انہوں نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں وہ الحاد کی آغوش میں چلا جائے۔ چنانچہ اس ملک کے اندر عوام اور حکمرانوں کے مابین بالکل آغاز ہی میں آویزش شروع ہو گئی۔ نصب العین کے معاملے میں مختلف طبقات کے درمیان اختلافات ہونے کی وجہ سے نہ تو یہاں کے افراد کی صلاحیتیں بروئے کار آ سکیں اور نہ اس ملک کے وسائلِ تعمیر و ترقی کی راہ پر لگائے جا سکے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس ملک اور اس کے باشندگان کو ودیعت کیا تھا وہ باہمی سر پھٹول میں ضائع ہو گیا۔

دَورِ حاضر کی بڑی طاقتوں نے اس ملک کے اندر داخلی انتشار پیدا کرنے کے علاوہ اس کے لیے ایسے مستقل خارجی خطرات بھی کھڑے کر دیے جو اس کے لیے ہر قدم پر مصائب پیدا کر رہے تھے۔ ریاستوں کے بارے میں جو اُصول طے کیا گیا تھا اسے بھارت نے سامراجی قوتوں کی شہ پا کر یکسر نظر انداز کر دیا اور کسی اخلاقی اور قانونی جواز کے بغیر جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر پر قبضہ جما لیا۔ امریکہ آغاز میں کشمیر کے بارے میں پاکستان کے موقف کی کسی قدر تائید کرتا رہا لیکن روس چونکہ بھارت کا پُرجوش مؤید تھا اور خود امریکہ اپنے مفادات کی خاطر اسے ناراض کرنے پر آمادہ نہ ہو سکتا تھا اس لیے یہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے مسلسل اُلجھتا چلا گیا اور ان دونوں

ممالک کے مابین مستقل وجہ نزاع بن گیا جس نے بعد میں شدید عداوت اور دشمنی کی صورت اختیار کر لی۔ اگر امریکہ اور روس دونوں اخلاص کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کرنے کے خواہاں ہوتے تو یہ بطریق احسن حل ہو جاتا اور اس برصغیر میں پائیدار امن کے قیام کی کوئی صورت نکل آتی لیکن ان دونوں سامراجی قوتوں کی ریشہ دوانیوں سے نہ صرف پاکستان اور بھارت بلکہ افغانستان اور اسی منطقہ سے تعلق رکھنے والے دیگر ممالک کا امن غارت ہو کر رہ گیا ہے۔ ان ممالک کی آزادی ہر وقت معرض خطر میں پڑی رہتی ہے اور ان کی سالمیت کے خلاف ہر آن سازشیں ہوتی رہتی ہیں۔ ان سازشوں کے نتیجے ہی میں پاکستان کا ایک بازو ٹوٹ کر الگ ہو گیا ہے۔ بھارت نے روس کی معاونت سے مشرقی پاکستان میں ننگی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا اور امریکہ اور دوسری بڑی طاقتیں یہ خونی ڈرامہ بڑے اطمینان کے ساتھ دیکھتی رہیں اور ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ اقوام متحدہ کی تنظیم جس کا مقصد وجود ہی کمزور قوموں کی آزادی کا تحفظ اور دنیا میں جارحیت کا خاتمہ ہے وہ بھی اس موقعے پر اپنے بنیادی فرض سے یکسر غافل رہی اور اس طرح ایک بے بس اور مظلوم قوم کی آزادی سلب ہو گئی اور جب یہ سب کچھ ہو چکا تو پھر پاکستان کے زخموں پر نمک پاشی کی غرض سے امریکہ کی طرف سے ہمیں یہ پیغام موصول ہوا کہ پاکستان کی سالمیت کا تحفظ اس کی خارجہ پالیسی میں کونے کے پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جن کی کل آبادی چند لاکھ نفوس سے بھی زیادہ نہیں ہے اگر اپنے آپ کو ہر طرح محفوظ و مامون پاتی ہیں تو مشرقی ممالک کی سالمیت کو آخر ہر وقت کیوں خطرہ درپیش رہتا ہے اور ان ممالک میں سیاسی اور معاشی استحکام کیوں پیدا نہیں ہونے پاتا۔ اس کی وجہ بڑی طاقتوں کا انسانیت سوز طرز عمل اور ان کی منافقانہ روش ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کی سامراجی طاقتیں اس قدر نحیف اور لاغر ہو گئیں کہ ان کے لیے اپنی نوآبادیوں پر بالجبر قابض رہنا ممکن نہ رہا لیکن انہوں نے حالات کے تقاضوں کے تحت ان ممالک کو آزاد تو کر دیا مگر اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا کہ یہ ممالک آزادی حاصل کر لینے کے بعد اپنے آزادی کے ثمرات سے متمتع نہ ہو سکیں بلکہ وہاں کے عوام کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ انہوں نے آزادی کی جنگ جیت کر سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ غیر ملکی سامراج سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ان کی زندگیاں تلخ تر ہو گئی ہیں۔ وہ جب غیر ملکی طاقتوں کے تسلط میں تھے تو انہیں کسی قدر جان و مال کا تحفظ حاصل تھا۔ انتظامیہ کا مزاج اگرچہ جابرانہ تھا مگر وہ اتنی بے حس، ظالم اور سفاک نہ تھی جتنی کہ اب ہے

اور اسی بنا پر سماج دشمن عناصر کھل کھیلنے میں اتنے جری نہ تھے جتنے کہ اب نظر آتے ہیں۔ عوام کے اندر یہ احساس محرومی بلکہ احساسِ ناکامی کسی قوم کے لیے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں آزادی کی کوئی قدر باقی نہ رہے بلکہ وہ دَورِ غلامی کو دَورِ آزادی پر ترجیح دینے لگیں اور ان کے اندر یہ احساس پرورش پانے لگے کہ انہوں نے آزادی حاصل کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور ان گنت مصائب کو دعوت دی ہے تو ان منفی احساسات کے ساتھ وہ آزادی کا کس طرح تحفظ کر سکتے ہیں۔ ان منفی احساسات کا وجود بطورِ خود کسی قوم کے لیے سخت خطرے کی علامت ہوتا ہے لیکن اگر اس کے رہنما اس خطرے کا صحیح احساس کرکے یاس و قنوطیت کے جذبات کو امید و رجا سے بدلنے کے بجائے مکر و فریب سے کام لینا شروع کر دیں تو اس قوم کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے؟ کسی قوم کے اندر عدمِ تحفظ کا احساس یونہی تو پیدا نہیں ہو جاتا۔ برسہا برس کی محرومیوں اور ناکامیوں کے بعد قوموں کو یہ روگ لگتا ہے اور جب یہ روگ لگ جائے تو بڑی مؤثر تدابیر اختیار کرنے کے بعد ہی کسی قوم کو اس سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ جو لوگ اپنی قوم کے حقیقی خیر خواہ ہوتے ہیں وہ اس مرض کے تدارک کے لیے سب سے پہلے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ قوم کی اخلاقی کمزوریوں اور اس کے نفسیاتی عوارض سے نہ تو خود کوئی فائدہ اُٹھایا جائے اور نہ کسی دوسرے کو اس نقب زنی کے لیے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس کے علاوہ جس قوم کو خوابوں کے سہارے جینے، آرزوؤں کے پیچھے چلنے اور کھوکھلے نعروں پر لبیک کہنے اور نمائشی کاموں پر فریفتہ ہونے کی عادت پڑ گئی ہو اسے حقائق سے دوچار کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جائے تاکہ وہ خواب و خیال کی دنیا سے نکل کر ٹھوس واقعات کی دنیا میں سرگرم عمل ہو سکے۔ قوم کے سچے بہی خواہوں کو عوام کی گردنوں پر مسلط ہونے، ان کی پریشان فکری اور پریشان نظری اور جذباتیت سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اس بات کی فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ کس طرح قوم کے اندازِ فکر میں حق پرستی، جذبات میں اعتدال اور افعال و اعمال میں حقیقت پسندی کے جوہر پیدا ہوں کیونکہ ان کو پیدا کیے بغیر نہ تو کسی قوم کی اخلاقی صحت درست ہو سکتی ہے اور نہ وہ قوم طالع آزماؤں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

فلسفۂ مذہب کے ایک نامور عالم نے مذہبی جذبات کی عظمت پر بحث کرتے ہوئے یہ بات بڑے دُکھ کے ساتھ کہی ہے کہ یہ جذبات انسانی زندگی کے لیے جس قدر بیش قیمت اور مقدس ہوتے ہیں اسی نسبت سے دُنیا کے عیار لوگ ان سے زیادہ سے زیادہ ناجائز فوائد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ

یہ مذموم کاروبار کرتے ہیں اُن سے زیادہ ذلیل دنیا میں اور کوئی مخلوق نہیں ہوتی کہ وہ چند دُنیوی فوائد کی خاطر انسان کی سب سے مقدس متاع سے کھیلنے میں بھی کوئی تردّد محسوس نہیں کرتے ۔ اِسی طرح دھوکہ دہی بذاتِ خود ایک نہایت معیوب فعل ہے اور اسے اخلاق کی دنیا میں کسی جگہ بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ۔ اِس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اس فرد یا گروہ کی اخلاقی پستی کا اندازہ کریں جو اپنے بھائی بندوں اور اپنی قوم کے افراد کے مذہبی جذبات سے کھیل کر اپنے لیے عزت واحترام کا کوئی بلند مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ کیا اس آسمان کے نیچے اس شخص یا گروہ سے زیادہ کوئی ظالم، سفاک اور اپنی قوم کا بداندیش اور انسانیت کا دشمن کوئی دوسرا فرد یا گروہ ہو سکتا ہے ؟ جن لوگوں نے مذہب اور اس کے متعلقات خصوصاً مذہبی جذبات واحساسات اور اُن کی نوعیت کا دِقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس سُنّت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جس قدر کسی مقدس چیز سے ناجائز فائدہ اُٹھانا سہل اور آسان ہے اُسی نسبت سے یہ ناجائز انتفاع مہلک بھی ثابت ہوتا ہے ۔ اللہ رب العزت کی غیرت آخر یہ کس طرح گوارا کر سکتی ہے کہ اس کے پاکیزہ نام پر لوگوں کو دھوکا دیا جائے ۔ چنانچہ جو افراد مذہب کے نام پر عوام کو فریب دیتے ہیں مالک الملک جلد ہی اُن کے اصل عزائم سے پردہ اُٹھا کر انہیں دُنیا میں ذلیل وخوار کرتا ہے ۔ اگر کوئی دُنیوی حکمران یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مملکت کے اندر اس کے نام پر کھوٹے سکوں کا چلن ہو تو اس کائنات کا فرمانروائے حقیقی اس اندوہناک صورتِ حال کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ اُس کی مخلوق کو اس کے مقدس نام پر دھوکہ دیا جائے ۔ چنانچہ جو لوگ دُنیاوی فائدوں کی خاطر اس طرح کی عیاریوں سے کام لے کر عوام کو بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اصل مقاصد کو آشکارا کر دیتا ہے تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور حقیقتِ حال سامنے آجانے کے بعد اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر سکیں ۔

مذہبی معاملات میں عیاری کا ایک دردناک پہلو یہ ہے کہ مذہب کے نام پر فریب کھانے کے بعد جب لوگوں کی آنکھیں کھلتی ہیں اور انہیں اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ کسی مقدس شے کے نام پر ان سے ایک شرمناک کھیل کھیلا گیا ہے تو اُن کے دل پر اس قدر شدید چوٹ پڑتی ہے کہ وہ اس کی تاب نہیں لا سکتے ۔ ان کا ذہن اپنی کوتاہ نظری، عاقبت نااندیشی، عدم تدبر اور جذباتیت کی طرف تو منتقل نہیں ہوتا لیکن وہ مذہب اور اس کے حقیقی بہی خواہوں سے مایوس اور بدظن ہو کر بڑے غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں اور اپنے اس منفی طرزِ عمل کے (باقی برصفحہ ۴۸)